

دیباغہ کے مشاہدات و تاثرات

سعید احمد اکبر آبادی

(۹)

اگر آپ بیمار ہیں تو حکومت کے قاعدہ اور قانون کے ماتحت تین دن سے زیادہ آپ اپنے مکان پر نہیں رہ سکتے، اس کے بعد لا محالہ آپ کو شفا خانہ میں داخل ہونا ہوگا، اور وہاں آپ کو دوا، غذا، اور نرسنگ کی وہ تمام سہولتیں ملیں گی جو ہمارے ملک میں صرف دولت مند اصحاب ہی حاصل کر سکتے ہیں، دوا یا غذا میں مجال ہے کہ کوئی کسی قسم کی بھی ملاوٹ ہو، گندگی کا کہیں نام نہیں، سستی اور کاہلی بے پروائی اور فرض ناشناسی کا گذر نہیں، اگر آج کسی گھر میں کوئی بچہ پیدا ہوا ہے تو جب تک وہ ایک خاص عمر تک نہیں پہنچے گا ماں باپ کا فرض ہوگا کہ ہفتہ میں ایک دن اپنے علاقہ کے ادارہ صحت میں لاکر بچہ کا معائنہ کراتے رہیں گے، یہاں بچہ کا وزن لیا جائے گا اور اس کی تندرستی کی جانچ ہوگی اور اب اس میں جس چیز کی کمی ہوگی اس کی تلافی فقط غذا یا دوا سے یا دونوں سے کی جائے گی، بچوں کے لئے نرسریز تو جگہ جگہ قائم ہیں ہی، شہر کے مختلف علاقوں میں تھوڑے تھوڑے فصل سے جو پارک اور باغات ہیں ان میں بھی بچوں کے کھیلنے کو دینے اور سیر و تفریح کے سامان مہیا ہیں، ان بچوں کی نگرانی اور ان کی تربیت کس اہتمام اور دل سوزی سے ہوتی ہے؟ اس کا اندازہ اس سے ہوگا کہ ایک مرتبہ شام کے وقت میں ایک پارک میں بیچ پر بیٹھا ہوا تھا، اتنے میں ایک خاتون اپنی بچی کو لے کر وہاں پہنچ گئی اور میرے قریب کی بیچ پر بیٹھ گئی، اب اس نے بچی کو کھلانا شروع کیا، تو وہ گیند پھینکتی اور بچی اس کے پیچھے دوڑتی اور پھر گیند اٹھا کر ماں کی طرف پھینک دیتی تھی، ایک مرتبہ بچی نے

گیند پھینکی اور وہ اتفاق سے میری طرف آگئی، میں نے گیند اٹھا کر بچی کو دی جو ڈھائی تین برس سے زیادہ کی نہیں ہوگی تو اُس نے بڑے معصومانہ انداز میں پہلے "تھینک یو" کہا اور پھر گیند لے کر اچھلتی کودتی چلی گئی۔

ہاں تو ذکر فیلو فیلنگ کا ہو رہا تھا، اس سلسلہ میں دو تین واقعات اور سن لیجئے جو مجھے یاد رہ گئے ہیں اور جن کا میرے قلب پر بڑا اثر ہوا ہے، مارچ ۱۹۶۳ء کے آخری ہفتہ کا ذکر ہے، علی گڑھ سے مجھے ایک دوست کا خط ملا جس میں انھوں نے میرے ایک بچہ کے متعلق لکھا تھا کہ وہ سخت بیمار ہے، مگر اُس کا علاج بڑی توجہ سے ہو رہا ہے اور ڈاکٹر کو اطمینان ہے کہ وہ اچھا ہو جائے گا، میرے گھر سے برابر خط آنے رہتے تھے، لیکن گھر کے کسی شخص نے مجھ کو پریشانی سے بچانے کے لئے اس بچہ کی علالت کا حال نہیں لکھا تھا، اب ایک دوست کے خط سے اچانک اطلاع ہوئی تو پریشان ہونا لازمی تھا، اتفاق سے ظفر اسحق صاحب انصاری جن کو مجھ سے نہایت مخلصانہ تعلق اس درجہ کا تھا کہ وہ اپنی ننھی مٹی اور بڑی پیاری بچی اسماء سے مجھے دادا کہلواتے تھے اُن کو اس خط کی خبر ہوگئی اور انھوں نے اُسی دن شام کے چار بجے جبکہ ہم سب لوگ کامن روم میں اک ساتھ چار پی رہے تھے پروفیسر اسمتھ سے اس کا ذکر کر دیا میں پیالی ہاتھ میں لئے الگ ایک صوفہ پر بیٹھا ہوا تھا، پروفیسر اسمتھ یہ خبر سنتے ہی فوراً میرے پاس پہنچے اور سلام کر کے صوفہ پر بیٹھ گئے اور بڑی غمگین اور ہمدردانہ آواز میں بولے، مجھے انصاری سے ابھی آپ کے بچہ کی علالت کا حال معلوم کر کے بڑا دکھ ہوا ہے۔ اس کے بعد انھوں نے بچہ کی بیماری اور اُس کے علاج کے بارہ میں مختلف سوالات کئے جن کا میں جواب دیتا رہا، آخر میں انھوں نے فرمایا "اگرچہ انسٹیٹیوٹ کی موسم گرما کی تعطیلات کے شروع ہونے میں ابھی ڈیڑھ مہینہ باقی ہے اور آپ کا سیمینار ختم بھی نہیں ہوا ہے لیکن اگر آپ وطن جانا چاہتے ہیں، تو بلا تامل کل ہی روانہ ہو جائیے، میں سب انتظامات کر ادوں گا، میں نے انکار کیا تو بولے "اچھا! اپریل کو آپ کا سیمینار ختم ہوگا، آپ ۸ کو روانہ ہو جائیے، جب شکریہ کے ساتھ میں نے اس سے بھی معذرت کی اور کہا کہ میرا ارادہ سشن ختم کر کے ہی امرمی کو روانہ ہونے کا ہے تو اب انھوں نے کہا "جب آپ نہیں مانتے تو یہی سہی، لیکن جب گھر سے خط آئے مجھ کو بچہ کے حال سے ضرور مطلع کر دیجئے، اسمتھ صاحب نے یہ پرسش حال صرف اپنے تک محدود نہیں رکھی، دوسرے ممبران اسٹاف کو بھی اپنا شریک بنا لیا۔ چنانچہ جب تک بچہ کی بالکل صحت یابی کی اطلاع

نہیں آگئی، روزانہ ہر شخص پہلی ملاقات میں بچہ کی خیریت دریافت کرتا تھا، ”اپنا غم تو ہر شخص کھاتا ہے مگر بات اس وقت ہے جب دوسروں کا غم کھائے۔“

کناڈا میں آپ کو معلوم ہے بلا کی سردی پڑتی ہے، موسم سرما میں پارہ حرارت درجہ صفر سے بھی کم پینس تیس درجہ نیچے پہنچ جاتا ہے۔ برف باری سے عجب منظر نظر آتا ہے، عمارتیں، سڑکیں، میدان، درخت، کھمبے، بسیں اور کاریں ہر چیز معلوم ہوتا ہے نہایت صاف و شفاف سپید چادر اوڑھے ہوئے ہے، درختوں کے پتے جب برف سے ڈھک جاتے ہیں تو کوئی مثلث، کوئی مربع، کوئی چڑیا اور کبوتر اور کوئی بلی اور بندر کی عجیب عجیب شکلیں اختیار کر لیتے ہیں اور بڑے حسین لگتے ہیں۔ سڑکوں پر ایک ایک دو دو فٹ برف جمی ہوئی ہے، جب یہ برف پگھلتی ہے تو کچھ اس قدر ہو جاتی ہے کہ چلنا دو بھر ہوتا ہے، چونکہ برف پر موٹر کاروں کے چلنے سے ان کے پھسل جانے کا اندیشہ ہوتا ہے اس لئے حکومت کی طرف سے یہ انتظام ہے کہ برف باری کے بند ہوتے ہی بڑے بڑے ٹرک باہر نکل آتے ہیں، اور دو دو ایک ساتھ مل کر پورے شہر میں اس طرح چلتے ہیں کہ اگلے ٹرک میں جو نسبتاً چھوٹا ہوتا ہے آگے کی جانب ایک طویل دو بیض بیلیچہ سا لگا ہوتا ہے، یہ بیلیچہ زمین پر سے برف کھرچ کھرچ کر ایک مشین کے ذریعہ پچھلے ٹرک میں پھینکتا جاتا ہے، جب پورا ٹرک بھر جاتا ہے، تو جگہ جگہ ڈمپ بنے ہوئے ہیں۔ ان میں برف کو جمع کر دیا جاتا ہے، اس طرح ان ڈمپس میں برف کے پہاڑ بنتے چلے جاتے ہیں، لیکن تمام سڑکیں تھوڑی دیر میں ایسی صاف ہو جاتی ہیں کہ برف کا کوئی نشان ان پر نظر نہیں آتا۔ پورے موسم سرما میں صرف ایک شہر مونٹریل میں اس طرح لاکھوں ٹن برف صاف کی گئی ہوگی اور اس پر لاکھوں ڈالر خرچ آئے ہوں گے۔

برف باری کے دوران میں تو نہ سردی ایسی کچھ زیادہ محسوس ہوتی ہے اور نہ ہوا میں ہی کچھ تیز و تند چلتی ہیں، لیکن اس کے بعد موسم یکا یک بہت شدید اور سخت ہو جاتا ہے اور اس پر برفانی ہواؤں کی آندھیاں جو چلتی ہیں تو بس! کچھ نہ پوچھئے، خدا کی پناہ! لوگ جو توں پر ایک اور جوتہ جو بڑا ہوتا ہے، اور ”بالائی جوتہ“ (OVER SHOE) کہلاتا ہے استعمال کرتے ہیں، ہاتھوں میں دستانے، عموماً چمڑے کے اور دبیز پہنتے ہیں اور کانوں پر ”گوش پوش“ رکھتے ہیں جسے وہاں ایرمٹ (EAR MUFF)

کہتے ہیں، سر کی حفاظت ٹوپی سے کی جاتی ہے اور پھر قل اور اور گرم کوٹ پر چھپڑیا اور کوٹ کے سوا تو چارہ ہی نہیں، جیسا کہ ابھی عرض کیا رٹر کے بالائی جوتے کا یہ فائدہ ضرور ہوتا ہے کہ پاؤں تک بستی ہونے سے بچ جاتا ہے، لیکن اگر ان جوتوں کے ساتھ کبھی برف پر چلنے کی نوبت آجائے تو پھر پھسلنے کا بڑا اندیشہ رہتا ہے اور یہاں آدمی پھسل کر گر نہیں کہ ترطراخ سے ہڈی ٹوٹی، چنانچہ اس موسم میں ٹانگ کی ہڈی کے ٹوٹنے کے واقعات اکثر پیش آتے ہیں۔ اور لوگ بھی کچھ عادی سے ہو گئے ہیں۔ لڑکے اور لڑکیاں برف پر کھیلتے ہیں، اسکیٹنگ کرتے ہیں، جو ان کا محبوب اور گویا کہ قومی کھیل ہے، دھڑام سے گرتے ہیں ہڈیاں ٹوٹی ہیں، مگر پرواہ نہیں کرتے، شفا خانہ میں داخل ہوئے، ڈیڑھ دو مہینے کے بعد ہڈی جڑ گئی اور چلنے پھرنے کے قابل ہو گئے تو پھر وہی کھیل کھیلنے لگے، میں ہوٹل سے انسٹیٹوٹ جس راستہ سے آتا جاتا تھا، اس میں بڑے نشیب و فراز اور تیج و خم تھے اور برف باری کے دنوں میں بسا اوقات برف پر چلنا پڑتا تھا، میرے لئے یہ ایک نیا تجربہ تھا اس لئے شروع میں تو کچھ جھجک ہوئی اور پاؤں ڈرتے ڈرتے پڑتے تھے، اور کئی مرتبہ لڑکھڑا کر گرنے سے بال بال بچا بھی، لیکن اس کو وہاں کی آب و ہوا اور فضا کا اثر کہتے یا میری اسپورٹس مین اسپرٹ جو واقعی میرے اندر موجود ہے! کہ پھر مجھے بھی عادت سی ہو گئی، اب نہ صرف یہ کہ مجھے برف پر چلنے میں تامل نہیں ہوتا تھا، بلکہ اس میں لطف آتا تھا، بعض مرتبہ یہ بھی خیال ہوا کہ اسکیٹنگ کروں، لیکن چونکہ مشق نہیں تھی اس لئے باز رہا۔ طالب علمی کے زمانہ میں ہاکی اور فٹ بال میرے محبوب کھیل رہے ہیں اور بڈمنٹن تو میں کلکتہ کے زمانہ تک کھیلتا رہا ہوں، کلکتہ میں جب تھا تو اپنی موٹر خود چلاتا تھا۔ لائسنس اب تک ہے، مگر موٹر ہی نہیں تو کس کام کا! مونٹرل میں اگرچہ اسکیٹنگ میں نے خود نہیں کیا، لیکن انوار کے دن جب کبھی موقع ملتا میں دیکھ ضرور آتا تھا۔

ہر چند کہ سردی یہاں اتنی شدید ہوتی ہے کہ ضرب اشل بن گئی ہے، لیکن یہ سردی آپ کے لئے صرف اس وقت ہے جب کہ آپ سڑک پر یا کسی میدان یا پارک میں کھلی جگہ میں ہوں، درنہ بجلی کی روشنی اور گیس کی طرح پورے ملک میں سنٹرل ہیٹنگ آرجمینٹ ہے جو ہر گھر، ہر دفتر، ہر دکان اور ہر عمارت کے ہر حصہ میں ہے، اس میں ریگولیٹر بھی ہوتا ہے، آپ حسب ضرورت حرارت کم یا زیادہ کر سکتے ہیں، اس انتظام کے

باعث باہر خواہ کسی ہی قیامت گذر رہی ہو، جب تک آپ اندر ہیں صرف ایک پتلون اور قمیص میں بیٹھے رہتے۔ اور وقتِ خواب کسی لحاظ وغیرہ کی ضرورت نہیں، ایک معمولی سا پتلا مکمل کافی ہے۔ اس نظمِ گرم سازی (HEATING ARRANGEMENT) کا یہ فائدہ تو ضرور ہے — اور کوئی شبہ نہیں کہ بہت

عظیم فائدہ ہے — کہ سردی سے حفاظت ہو جاتی ہے۔ لیکن ساتھ ہی ایک نقصان بھی ہے اور وہ یہ کہ چونکہ اس انتظام کی وجہ سے لوگوں کو بالکل بند مکانوں میں رہنا پڑتا ہے جن میں تازہ ہوا کی آمد و شد کے لئے کوئی راستہ نہیں ہوتا۔ اس لئے عام طور پر پھیپھڑے خراب ہو جاتے اور دق کی بیماری لگ جاتی ہے۔ اس سے بچاؤ کے لئے خاص خاص قسم کی طبی گولیاں، شربت اور بعض اور دوائیں بن چکی ہیں لوگ استعمال کرتے ہیں، مسینر و ڈاسکا جو ہمارے انسٹیٹیوٹ میں آفس سپرنٹنڈنٹ اور نہایت شریف و ہمدرد خاتون ہیں، انھوں نے مجھ کو بھی ایک دوا کا نام بتا کر تاکید کی تھی کہ جاڑوں جاڑوں اس کا استعمال ضرور کروں، لیکن میں نے موصوفہ کے مشورہ پر عمل نہیں کیا، صرف کا ڈور آئل کی ایک بوتل لاکر رکھی تھی اور وہ بھی ۱۴ سے زیادہ نہیں پی گئی، مگر خدا کا شکر ہے پورا موسم بہمہ وجوہ خیریت و عافیت کے ساتھ گذر گیا اور حرارت، نزلہ، زکام، کھانسی اور دردِ سر وغیرہ کی کوئی شکایت کبھی نہیں ہوئی، اس کی وجہ غالباً یہ ہے کہ میں تازہ ہوا اور کھلی فضا کا عاشق ہوں، اس لئے برف باری کے زمانہ میں جب کبھی آسمان صاف ہوتا۔ اور بادل کھلتے تھے تو میں بشرطِ فرصت فوراً باہر نکل جاتا اور گھومتا پھرتا تھا، انسٹیٹیوٹ بھی ہمیشہ پایادہ آتا جاتا تھا۔ پوری مدتِ قیام میں انتہائی سخت برف باری کی وجہ سے غالباً صرف تین یا چار مرتبہ ٹکسی میں گیا ہوں گا، پھر علی الصبح ٹہلنے کا میں ایسا ہی پابند ہوں جیسا کہ نماز کا، اور میرا یہ معمول مونٹریل میں بھی نافذ نہیں ہوا۔ البتہ وقت بدل گیا، صبح کے بجائے رات کا کھانا کھا کر نکلتا تھا اور گھڑی دیکھ کر کم از کم ایک گھنٹہ چلتا تھا، راستہ کوئی ایک متعین نہیں تھا، کبھی کسی طرف نکل گیا اور کبھی کسی طرف، پھر صبح کے ٹہلنے میں حضرت والد صاحب قبلہ جو آگرہ کے نامی گرامی ڈاکٹر تھے، ان کی ہدایت کے مطابق میں اس بات کا خیال رکھتا ہوں کہ مُنہ، کان اور گردن کھلے رہیں اور سر نہ ٹکا نہ ہو تو کوئی ہلکی ٹوپی ہو اور سانس گہرا لیتا ہوں، یہی میرا معمول وہاں بھی رہا، لوگ حیرت کرتے تھے، مگر جب برف میں ڈوبی ہوئی ہوا کے تھپیرے میرے چہرہ، کانوں اور گردن پر پڑتے تھے تو

مجھے لطف آتا تھا، غرض کہ وہاں چوبیس گھنٹہ بند پڑا رہنا سخت مضر ہے، سردی سے حفاظت تو ہو جاتی ہے لیکن دوسرے آزار لگ جاتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ ہندوستان اور پاکستان کی جو خواتین زیادہ چلنے پھرنے کی عادی نہیں ان کی صحت پر کناڈا کی آب و ہوا کا اچھا نہیں بلکہ بُرا اثر ہوا ہے اور ان کے چہروں پر وہ شادابی نظر نہیں آتی جس کی وہاں توقع ہو سکتی تھی۔

جی ہاں! تو ذکر اسی فیلو فیلنگ کا تھا۔ ہوا یہ ایک روز شب کے گیارہ ساڑھے گیارہ بجے کا عمل ہوگا۔ میں مطالعہ سے فارغ ہو کر سو جانے کا ارادہ کر رہا تھا۔ کہ میں نے کسی قدر ٹکی سردی محسوس کی، مگر وجہ کچھ سمجھ میں نہیں آئی۔ اتنے میں نے کمرہ کے دروازہ پر دستک سنی، مسہری سے اٹھا اور دروازہ کھولا تو دیکھا ہنگری کی ایک خاتون جو میری طرح اس ہوٹل میں مستقل رہتی تھیں، کھڑی ہوئی ہیں، اس ناوقت اور خلاف عادت و رسم ان کو دیکھ کر مجھے حیرت بھی ہوئی اور تشویش بھی، انھوں نے پہلے تو ناوقت آنے کی مجھ سے معذرت کی اور پھر بولیں، "مسٹر اکبر آبادی! شاید آپ کو معلوم نہیں مشین میں خرابی ہو جانے کی وجہ سے ہمارے ہوٹل کا نظم گرم سازی فیل ہو گیا ہے اور اس وجہ سے سردی محسوس ہو رہی ہے، مینجر کو اطلاع کر دی گئی ہے، مگر اس کے درست ہوتے ہوتے دیر لگے گی، میں آپ سے یہ کہنے آئی ہوں کہ میرے پاس ٹیٹر موجود ہے، میں وہ آپ کے کمرہ میں لا کر لگائے دیتی ہوں" میں نے کہا "شکر یہ! مگر آپ!" جواب دیا "میرے پاس ایک اور ہے ضرورت ہوئی تو میں وہ استعمال کر لوں گی" میں نے کہا "تو بہت اچھا! میں خود آپ کے کمرہ میں چلتا ہوں میں لے آؤں گا۔ اُس نے کہا "جی نہیں! میں خود لاؤں گی! چنانچہ بھاگی ہوئی گئی اور ٹیٹر لا کر میرے کمرہ میں مسہری کے پاس ایک سوچ لایا تھا اُس میں لگا دیا اور انتظار کرتی رہی، جب گرم ہو گیا تو شب بخیر کہہ کر واپس ہو گئی، اسی طرح کا ایک اور واقعہ اسی ہوٹل میں ایک مرتبہ یہ پیش آیا کہ میں حسب معمول ۹ بجے صبح کو اسٹیوٹ لے اذراہ کرم یہ یاد رکھئے کہ میں نے "مشاہدات و تاثرات" کا طرز قسداً ایک مقالہ کا نہیں رکھا ہے، بلکہ یہ پاران سرپل کی گفتگو یا ٹیل ٹاک ہے جو میں آپ سے کر رہا ہوں، اس لئے اس میں مقالہ کی سی خاص ترتیب اور نظم و نسق عبارت کی اسٹیڈ رکھئے آئندہ آپ دیکھیں گے اسی طرح باتوں باتوں میں کتنے ہی اہم قومی بین الاقوامی، سماجی اور مذہبی معاملات و مسائل زیر گفتگو آجائیں گے۔

جانے کے لئے اپنے کمرہ سے باہر نکلا اور اتفاق سے اس وقت میرے چیسٹر کا ایک بٹن ٹوٹا ہوا تھا، میں نے اس کی پروا نہیں کی، یونہی چل پڑا، ایک خاتون جو اُس ہوٹل میں مستقل مقیم تھی اور اکثر ناشتہ اور ڈرنک پر اُس سے ملاقات اور گفتگو رہتی تھی وہ سامنے سے آرہی تھی اُس نے چیسٹر کا بٹن ٹوٹا ہوا دیکھا تو اُس کی طرف اشارہ کر کے بولی ”ارے یہ کیا؟“ میں نے کہا ”کوئی مضائقہ نہیں ہے“ اُس نے کہا ”جی نہیں ابرا معلوم ہوتا ہے، آپ ابھی واپس چلے،“ چنانچہ میں کمرہ میں واپس آیا اور چیسٹر اُس کو دیا، وہ گئی اور اپنے کمرہ میں بٹن ٹانک کر اسے لا کر میرے حوالہ کیا، میں نے شکر یہ ادا کیا تو اُس نے کہا ”میں نے یہ اس لئے کیا ہے تاکہ آپ یہ محسوس نہ کریں کہ آپ پردیس میں ہیں۔“

اجاب کو معلوم ہے میں نے گھاٹ گھاٹ کا پانی پیا اور ہر دسا ور کا نمک چکھا ہے، یعنی میرا تعلق مسلم درنگا ہوں سے بھی رہا ہے اور غیر مسلم اداروں سے بھی اور مسلم اداروں میں تعلیم قدیم کی درس گاہیں اور تعلیم جدید کے ادارے دونوں شامل ہیں، مگر مجھے حد درجہ ندامت و شرمندگی سے اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ آپس میں جو ترک و حسد، غیبت و بدگوئی اور لگائی بکھائی میں نے مسلمان اداروں میں دیکھی ہے وہ غیر مسلم اداروں میں نہیں دیکھی، دلی کے مشہور سینٹ اسٹیفنس کالج کا میں طالب علم بھی رہا اور چھ برس تک استاد بھی، حق یہ ہے کہ جو دماغی سکون و اطمینان مجھ کو اس کالج اور دلی یونیورسٹی کی فضا میں نصیب ہوا وہ کلکتہ مدرسہ میں نہیں ملا، اور اب علی گڑھ میں وہ ناپید ہے۔ دیوبند میری طالب علمی کے زمانہ میں روحانیت اور اخلاق کا مرکز تھا، مگر اب وہ بھی کام جونی و مطلب بر آری کا گھر بنتا جا رہا ہے، مجھے اب تک یاد ہے، ۱۹۴۷ء کی ۵ ستمبر کو جب آزادی ملک کے صدقہ میں میرا گھر بار سب کچھ ٹوٹا اور برباد ہوا، اور ساتھ ہی میں نے ان دنوں میں جو وحشت انجیز و انسانیت سوز مناظر دیکھے اور سنے ان سب کا میرے دماغ پر نفسیاتی اثر یہ تھا کہ میں یہ محسوس کرنے لگا تھا کہ اب انسان اور انسانیت دونوں کا خاتمہ ہو گیا ہے اور میں جن لوگوں کے درمیان رہ رہا ہوں وہ وحشی دزدے اور بھیڑیے ہیں جنہوں نے انسانوں کا روپ دھار لیا ہے، لیکن انہیں دنوں میں سینٹ اسٹیفنس کالج کے پرنسپل اور دالس پرنسپل نے میری خاص طور پر اور عام ظلم رسیدہ مردوں اور عورتوں کی عموماً جو مدد اپنی جانوں پر کھیل کر کی ہے اُس کا مجھ پر غیر معمولی اثر ہوا اور ان لوگوں کو دیکھ کر محسوس ہوا کہ نہیں انسانیت فنا نہیں ہوئی۔

بلکہ اب بھی باقی ہے، یہ حال تو اپنے ملک کا تھا، باہر جا کر یہ چیز اور زیادہ محسوس ہوئی، ہمارے ہاں آئے دن طلباء کے ہنگامے اور مظاہرے ہوتے رہتے ہیں، اساتذہ مختلف طریقوں سے اپنی بے چینی کا اظہار کرتے رہتے ہیں اور ہماری یونیورسٹیوں کے حدودِ اربعہ سیاست کی دراندازی سے محفوظ نہیں ہیں، چنانچہ ماہرینِ تعلیم کو اُس کا اظہار ہے کہ آزادی کے بعد سے اب تک اگرچہ یونیورسٹیوں کی تعداد دہ چند ہو گئی اور تعلیم کا بجٹ بھی کہیں سے کہیں پہنچ گیا ہے، لیکن تعلیم کا معیار اونچا نہیں ہو سکا ہے اور نتائجِ خاطر خواہ پیدا نہیں ہو رہے ہیں، اس کے برخلاف ان ملکوں کا حال یہ ہے کہ جو جس کام پر لگا ہوا ہے اُس سے اُس کو پوری دل چسپی ہے، اور پورے انہماک اور یکسوئی کے ساتھ اسے انجام دے رہا ہے اس ماحول اور فضا کا خود مجھ پر یہ اثر ہوا، کہ وہاں کے آٹھ مہینوں کے قیام میں میں نے اپنے فرائضِ منصبی ادا کرنے کے علاوہ مطالعہ اور تصنیف و تالیف کا اتنا کام کیا ہے کہ غالباً یہاں دو برس میں بھی نہیں کر سکتا، انگریزی اور عربی کی پچاس ساٹھ کتابیں از اول تا آخر پڑھ ڈالیں، ابھی پچھلے دنوں میرے دو تحقیقی مقالے "الصباہون" اور "الایمون" جو مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے سہ ماہی مجلہ "فکر و نظر" میں شائع ہوئے ہیں، یہ میں نے وہیں لکھے تھے اور اس سلسلہ میں انسٹیٹیوٹ کے احباب کی مدد سے جرمنی اور فرانسیسی زبانوں کی کتابوں سے استفادہ کیا تھا، علاوہ ازیں اپنی کتاب "اسلام کا نظامِ تشریح" کے لئے میں نے نوٹ لئے جو تین سو صفحات سے کم نہیں ہیں، پھر بعض اور مقالات جو میرے پیش نظر ہیں ان کے سلسلہ میں بھی کچھ کام کیا، غرض کہ اُس ماحول اور آب و ہوا میں رہ کر خود بخود کام کرنے کا جذبہ اور طبیعت میں آمادگی اور یکسوئی پیدا ہوتی ہے۔

فرض شناسی اور محنت | فیلو فیلنگ کے علاوہ ان لوگوں کا ایک نمایاں وصف فرض شناسی اور محنت ہے، یہاں ہفتہ میں پانچ دن کام کرنے کے ہیں اور دو دن یعنی ہفتہ اور اتوار چھٹی کے، ان پانچ دنوں میں لوگ اس طرح کام کرتے ہیں کہ مجال نہیں اوقاتِ کار کا ایک لمحہ بھی گپ شب یا غیر ضروری باتوں میں صرف ہو سکے، یہ دو دن جو چھٹی کے ہیں، تو اُس کی وجہ یہ ہے کہ چونکہ وہاں نوکر اور خدمت گزار وغیرہ نہیں ہیں، اس لئے ان دو دنوں میں سے ایک دن گھر کے سب مرد و عورت گھر کی صفائی، کپڑوں کی دھلائی، یا اشیاء کی خرید و فروخت میں صرف کرتے ہیں، اور اتوار کو صبح کے وقت گرجا میں جاتے اور باقی وقت سیر و تفریح میں گزارتے ہیں۔

جسے ہم ہواخوری کہتے ہیں اور وہ (OUTING) اس کو سیر و تفریح میں بڑا دخل ہے، اس کو بھی خلوص اور دل جمعی سے اسی طرح انجام دیتے ہیں جس طرح وہ کام کرتے ہیں، وہاں کی مدت قیام میں مجھے متعدد دفتروں اور اداروں میں مختلف ضرورتوں سے جانا ہوا، اور آپ کو یہ سن کر تعجب ہو گا کہ کسی جگہ پانچ منٹ سے زیادہ صرف نہیں ہوئے، اس پر خوش اخلاقی کا یہ عالم کہ کسی دفتر میں کسی جگہ جائیے، آپ جس کام کے لئے گئے ہیں اُس کا انچارج مرد ہو یا عورت پہلے آپ کا مسکراتے ہوئے گڈ مارنگ سے استقبال کرے گا اور پھر آپ کا کام پوچھے گا، کام کے ہو جانے پر جب آپ اُس کا شکریہ ادا کریں گے تو پھر خندہ پیشانی سے وہ اس کا جواب دے گا، محنت اور جفاکشی اُس درجہ کی ہے کہ بڑے سے بڑے آدمی کو کسی کام میں عار نہیں ہے۔

ہمارے انسٹیٹوٹ میں ڈاکٹر وائسن جولا بیریرین تھے انہیں دیکھ کر حیرت ہوتی تھی، کتابوں کے بہت بھاری بھاری بنڈل وہ نہایت بے تکلفی سے ایک منزل سے دوسری منزل میں اور ایک کمرہ سے دوسرے کمرہ میں اٹھائے پھرتے تھے، یہاں کا معیار زندگی کتنا اونچا اور چیزیں کس قدر گراں ہیں؟ ہر شخص جانتا ہے، لیکن اس کے باوجود خوش حالی عام ہے، ہر شخص مطمئن اور خوش ہے، اُس کی وجہ یہی ہے کہ یہ لوگ محنت اور جفاکشی کے عادی ہیں، ہر ایک اپنے کام سے شغف اور دل چسپی رکھتا ہے۔ کسی کو کسی کام میں عار اور زنگ نہیں ہے گھر میں جتنے آدمی ہیں سب محنت کرتے اور بکاتے ہیں، کوئی کسی پر بوجھ نہیں ہے، اونچی کلاس کے لوگوں تک لڑکے کالج کی تعطیلات میں کسی کا رخا نہ وغیرہ میں عارضی نوکری کے لئے نکل جاتے ہیں جسے وہاں

VACATION JOB کہتے ہیں۔ اس کے دُفاندے ہوتے ہیں، ایک یہ کہ تعلیم کے ساتھ ان کو زندگی کا عملی تجربہ بھی ہوتا ہے اور خود کمانے کے باعث اُن میں خود اعتمادی پیدا ہوتی ہے اور دوسرے یہ کہ والدین کو اس سے مدد پہنچتی ہے، امریکہ اور کناڈا میں سب سے زیادہ مانگ جس چیز کی ہے وہ لیبر یعنی مزدوری ہے، اس بنا پر مزدور کی قدر بھی زیادہ ہے، شام کے وقت کسی شیرخوار بچہ کے ماں باپ کو کسی تقریب میں یا سینما میں جانا ہے تو آس پاس کی کسی عورت کو بلالیا اور بچہ اُس کے سپرد کر کے چلے گئے، دونوں واپس آئے اور عورت دو تین ڈالر جیب میں ڈال گھر پہنچی۔

ریستورانوں میں جو لوگ (مرد کم اور عورتیں زیادہ) کھانا کھلاتے ہیں، سینما گھروں اور کلبوں میں جو عورتیں

صرف اور کوٹ رکھنے کا کام کرتی ہیں، اور اسی طرح جو لڑکیاں بڑی بڑی دکانوں پر سیلین کا کام کرتی ہیں، ان میں صرف غریب طبقہ کی عورتیں نہیں ہوتیں، بلکہ اچھے خاصے کھاتے پیتے گھروں کی بھی خواتین ہوتی ہیں تین چار گھنٹے اس طرح کام کرتی ہیں اور بیس پچیس ڈالر روزانہ کمالیتی ہیں، یہ سو سائٹی بالکل غیر طبقاتی تو نہیں ہے، لیکن اس میں شبہ نہیں کہ یہاں طبقاتیت کے پردے زیادہ دبیز اور موٹے نہیں ہیں، کسی کی ظاہری ہیئت، وضع اور طور و طریق سے یہ پتہ چلانا مشکل ہے، کہ وہ امیر ہے یا غریب، کسی کا رخاٹہ کا مالک ہے یا اس کا ملازم، دونوں اگر ایک جگہ بیٹھے ہوں تب بھی ان میں تمیز کرنا مشکل ہے، میرے ہوٹل میں تین چار دن کے لئے ایک جوڑا آکر ٹھہرا ان کے ساتھ ان کا شو فر بھی تھا۔ میں نے دیکھا کہ میاں بیوی اور ان کا یہ شو فر تینوں ایک ہی میز پر بیٹھ کر ایک ساتھ ناشتہ کرتے اور کھانا کھاتے تھے، اور آپس میں گفتگو بھی بے تکلفی سے کرتے تھے، پھر لباس بھی یکساں ہی تھا، ہمارے ہوٹل کا مالک میزے خیال میں تین چار ہزار ڈالر ماہانہ کی آمدنی سے کم کا ہرگز نہیں ہوگا، لیکن اس کے باوجود اس کا ایک بھائی کھانا پکاتا اور یہ خود کھانا کھلاتا تھا، اور اتوار کے دن صبح سے شام تک بالکل مزدوروں کی طرح لگ کر یہ پورے ہوٹل کی صفائی کرتے تھے۔

مولانا عبدالرشید صاحب عثمانی

مولانا سید عبدالدائم صاحب جلالی

مکمل لغات القرآن (۶ جلدوں میں) مؤلف:-

اُردو زبان میں لغتِ قرآن کے موضوع پر ایک جامع مکمل اور مستند کتاب، ایک مدرس اس کتاب کو پڑھ کر قرآن مجید کا بہترین درس دے سکتا ہے اور ایک عام اُردو خواں قرآن شریف کا ترجمہ بہت اچھی طرح کر سکتا ہے اور اس کے مضامین کو بخوبی سمجھ سکتا ہے، لغتِ قرآن کے ساتھ ہی الفاظِ قرآن کی ایک مکمل فہرست دیدی گئی ہے، جس سے ایک لفظ کو دیکھ کر تمام لفظوں کے حوالے بڑی سہولت سے نکالے جاسکتے ہیں۔

جلد چہارم: ص ۳۸۶ قیمت ۶/۰ مجلد ۴/-

جلد اول: ص ۳۳۲ قیمت ۵/۰ مجلد ۶/۰

جلد پنجم: ص ۵۰۰ قیمت ۶/۵ مجلد ۴/۵

جلد دوم: ص ۳۳۰ قیمت ۵/۰ مجلد ۶/۰

جلد ششم: ص ۳۲۶ قیمت ۲/۵ مجلد ۵/۵

جلد سوم: ص ۳۰۸ قیمت ۲/۵ مجلد ۵/۵

پوری کتاب کے مجموعی صفحات ۲۱۸۴ بڑی تقوُّطج قیمت ۳۱/۵۰ مجلد ۳۴/۵۰

مکتبہ برہان اردو بازار جامع مسجد، دہلی ۶